

انشائیہ اور مضمون کے خدو خال

Countenancing of Light Essay and Essay

امتیاز حسین، پی ایچ ڈی اسکالر، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

Imtiaz Hussain, PhD Scholar, Dept. of Urdu, Federal Urdu University, Islamabad.

ڈاکٹر سعدیہ طاہر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

Dr. Sadia Tahir, Assistant Professor, Dept. of Urdu, Federal Urdu University, Islamabad.

Abstract

The word Inshiya is revealed from the Arabic language with its terminological status. The word Inshiya was originally an official term. It was applied to rough drafts of official decrees and letters and the cleared draft was called writing. It got the name of Diwan and Inshiya. Gradually the word Inshiya was used for writing and arranging decrees and letters. This prose became the language of rules and decrees and letters. In this prose, the element of rhetoric was the main component. This gave rise to the special method of writing which we remember as Insha'iyah.

Insha'Allah is a type of article. That is why there is more closeness between the two. There seems to be a resemblance between the two, but when you look at it, there are many differences that make a difference between the subject and the subject. An article has a form. The article provides potential information on, the topic. While there is no restriction on the subject in the essay, the essayist has the freedom to record other things related to the subject in the middle and add his personal impressions to it.

Key words: Arabic language, terminological, prose, component, potential, Information, restriction

کلیدی الفاظ: عربی زبان، اصطلاحات، نثر، عناصر، مکملہ، معلومات، پابندی

اردو میں انتقاد انشائیہ کے حوالے جن موضوعات پر ناقدین کی تنقیدی آرا سامنے آئی ہیں ان میں سے ایک اہم موضوع ”مضمون“ اور ”انشائیہ“ کے اختلافات اور مماثلات کے حوالے سے ہے۔ انشائیہ کی صنف چونکہ انگریزی سے اردو میں آئی ہے اور انشائیہ کے لفظ کے استعمال نے ایک Essay انگریزی میں مضمون اور انشائیہ دونوں کے لیے

عرصہ تک صورت حال کو خاص گھمبیر بنائے رکھا۔ اردو میں انشائیہ کے خدوخال ابتدا میں واضح نہ ہونے کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ مضمون اور انشائیہ میں کوئی خاص فرق سامنے نہیں آیا تھا۔ بہت سی باتیں ایسی تھیں جو مضمون اور انشائیہ دونوں میں پائی جاتی تھیں اس لیے ایک عرصہ تک ان دونوں میں کوئی حد فاصل قائم نہ کی جاسکی۔ دوسری طرف اسی وجہ سے اردو میں انشائیہ کی ابتدا کے بارے میں بھی خاص تنازع بنا رہا۔ بہت سے ناقدین اور محققین نے ان تحریروں کو انشائیہ قرار دے ڈالا جو حقیقت میں مضامین کے زمرے میں آتی تھیں۔ ان میں پائے جانے والی مماثلات تھیں تحریروں کو انشائیہ قرار دینے کی وجہ انشائیہ اور مضمون جن کی وجہ سے دونوں کی الگ الگ پہچان نہ کی جاسکی۔ مضمون کے بارے میں مختلف ناقدین کی کئی آرا ملتی ہیں۔ اس بارے میں فہیم الدین نوری مضمون کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”کسی چیز، واقعہ یا بات کے متعلق جو کچھ معلوم ہو اس کی روشنی میں اس

چیز یا واقعہ یا بات کے مختلف پہلوؤں پر تحریر کے ذریعہ سے اظہارِ خیال
کے جانے کو مضمون کہتے ہیں۔“ (۱)

مضمون کی حدود بہت وسیع ہیں۔ موضوعاتی حوالے سے دیکھا جائے تو سماج، سیاست، سائنس اور ادب سمیت زندگی اور زندگی سے جڑے تمام موضوعات مضمون کی حدود میں آجاتے ہیں۔ مضمون نگار کو مضمون تحریر کرتے اس بات کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے کہ وہ جن مشاہدات اور خیالات کے اظہار کے لیے مضمون کا سہارا لے رہا ہے ان کو اس طرح تحریر کرے کہ نہ تو قاری کے لیے ابلاغ کا مسئلہ پیدا ہو اور نہ ہی اس کے خیالات و احساسات تشنگی کا احساس دلائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ غیر ضروری طوالت سے بھی اجتناب کیا جائے کیونکہ بے جا طوالت قاری کو اس اصل مقصد سے دور لے جانے کا باعث بن سکتی ہے جس کے لیے مضمون تحریر کیا جا رہا ہے۔ مضمون کے لیے اختصار کو لازم قرار دیتے ہوئے سید صفی مرتضیٰ لکھتے ہیں۔

”مضمون ادب کی اس صنف کو کہیں گے جو خیالات کے سرسری تموج
کی ایک شکل ہو۔ اور جس میں اختصار کا ایک حد تک لحاظ رکھا
گیا ہو۔“ (۲)

انشائیہ حقیقت میں مضمون سے الگ ایک لطیف صنف نثر ہے۔ اس میں چند عناصر تو ایسے ہیں جو مضمون میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن ان کی بنیاد پر انشائیہ کو مضمون نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک یا چند عناصر کے اشتراک سے نہ تو ہر مضمون کو انشائیہ قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ہر انشائیہ پر مضمون کا لیبل لگایا جاسکتا ہے۔ انشائیہ کے بارے میں ایک نقاد کا یہ کہنا ہے کہ:

”انشائیہ ادب کی وہ صنف ہے جس میں حکمت سے لے کر حماقت تک اور حماقت سے لے حکمت تک ساری منزلیں طے کی جاتی ہیں۔ یہ وہ صنف ادب ہے جس میں بے معنی باتوں میں معنی تلاش کیے جاتے ہیں اور بامعنی باتوں کی ہمہلیت اجاگر کی جاتی ہے۔“ (۳)

انشائیہ میں زندگی اور کائنات کا انکشاف ہوتا ہے۔ کائنات اور زندگی کی حقیقت بے ربطی پر مشتمل ہے اور یہ بے ربطی اور بے ترتیبی ہی کائنات کا حسن ہیں۔ لیکن خیال رہے کہ بے ربطی اور بے ترتیبی کا مطلب ہر گز غیر متوازن ہونا نہیں ہے۔ حسن اصل میں توازن ہی کا نام ہے اور جب توازن کے ساتھ لطافت بھی شامل ہو جاتی ہے تو حسن اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ کائنات کا جتنا حسن توازن اور لطافت میں مضمر ہے مطالعہ کائنات اور انکشاف کائنات کے وقت وہی حسن اور وہی انداز انشائیہ کو بھی معیاری بناتا ہے۔ انشائیہ میں حقیقی انکشاف ذات اور انکشاف کائنات اسی حسن کے مرہون منت ہے۔ غلام جیلانی اصغر کائنات کے حسن میں پائی جانے والی بے ربطی کو انشائیہ کے لیے ضروری قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”انشائیہ ایک ایسی نثری تحریر ہے جو اتنی ہی بے ربط ہوتی ہے جتنی کہ خود زندگی اور جس طرح زندگی کے آخر میں حیاتیاتی وحدت وجود میں آجاتی ہے اسی طرح انشائیہ کے منتشر اجزا میں دیکھتے ہی دیکھتے ایک وحدت تاثر پیدا ہو جاتی ہے۔ زندگی خود کئی اجزا سے عبارت ہے، انشائیہ کی بھی یہی خوبی یا خصوصیت ہے کہ اس کے اجزا فکری بھی ہوتے ہیں اور جذباتی بھی، یعنی انشائیہ سوچنے پر بھی مجبور کرتا ہے اور محسوسات کے وسیع تر امکانات بھی چھوڑ جاتا ہے۔“ (۴)

اس تناظر میں جب ہم اردو میں مضمون نگاری کے آغاز اور ارتقائی صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اردو میں مضمون نگاری کا آغاز سرسید سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ مضمون جسے انگریزی ایسے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ احمد فاروقی نے رام چندر کا سرسید پر اولیت دیتے ہوئے اسے اردو میں مضمون نگاری کی صنف کو روشناس کرانے والا قرار دیا ہے۔ خواجہ احمد فاروقی اس بارے میں اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”اردو نثر کی تاریخ میں رام چندر کی یہ تقدیری حیثیت بھی لائق احترام ہے کہ انہوں نے اردو کو ”مضمون“ یعنی Essay سے روشناس کرایا۔“ (۵)

عہد سرسید میں مضمون نگاری کی صنف کو خاص طور پر عروج حاصل ہوا۔ سرسید کی تحریک ایک ایسی تحریک تھی جس کے اثرات ہندوستان گیر اہمیت کے حامل تھے۔ علی گڑھ کی تحریک نے پورے ہندوستان کی فضا میں ایک خاص انداز سے تحرک پیدا کیا اور فکری حوالے سے نئے در واکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے اکثر لکھنے والوں پر سرسید تحریک کے اثرات بڑے واضح انداز میں نظر آتے ہیں۔ اردو میں علمی نوعیت کے مضامین لکھنے والوں میں مولانا الطاف حسین حالی کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ان کے مضامین میں ہمیں مسرت کی بجائے قوم کی زبوں حالی کے نوے زیادہ ملتے ہیں۔ وہ قوم کی زبوں حالی کو مضامین میں بیان کرتے ہیں۔ سرسید اور آزاد کی طرح ان کا مقصد بھی قوم کی اصلاح ہے۔ وہ قوم کو اپنے شاندار ماضی کی یاد دلاتے اور موجود حالات کی سنگینی کا رونا روتے نظر آتے ہیں۔ بیسویں صدی میں اردو مضمون نگاری کو رواج دینے میں ”مخزن“ کا کردار نمایاں ہے۔ شیخ عبد القادر خود بہت اچھے انشا پرداز تھے انہوں نے مخزن کے ذریعے نہ صرف خود اچھے مضامین قارئین کو پیش کیے بلکہ بہت سے مضمون نگاروں کو بھی قارئین سے آشنا کروایا۔ شیخ عبد القادر کے مضامین میں بھی قوم کی غم خواری کی جذبہ خاص طور پر نظر آتا ہے۔

مضمون اور انشائیہ میں پائے جانے والے مماثل امور میں سے سب سے اہم امر گہرا مشاہدہ ہے۔ مشاہدہ کائنات ہی کسی تخلیق کار کو اپنے موضوع کے لیے مواد فراہم کرتا ہے۔ کائنات کی بے پناہ وسعت میں لاکھوں موضوعات تخلیق کار کے منتظر ہوتے ہیں

جنہیں تخلیق کار نے اپنے گہرے مشاہدے کے ذریعے دریافت کرنا ہوتا ہے۔ گہرا مشاہدہ جہاں ایک طرف مضمون نگار اور انشائیہ نگار کو موضوع فراہم کرتا ہے وہیں دوسری طرف اس موضوع کی جزئیات طے کرنے اور اس موضوع کے بارے میں زیادہ سے زیادہ مواد کے حصول میں بھی رہنمائی کرتا ہے۔

انشائیہ نگار اور مضمون نگار کے لیے اسلوب کی روانی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ انشائیے کے لیے تو اسلوب کی لطافت اور روانی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ایک مضمون نگار کا اسلوب اگر رواں نہیں ہوگا تو اس میں بیان کردہ حقائق اور تصورات و خیالات خواہ کتنے ہی اعلیٰ درجے کے کیوں نہ ہوں قاری بہت جلد ان سے اکتا کر کنارہ کشی اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس لیے مضمون اور انشائیہ میں اسلوب کی روانی کا عنصر مماثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلوب کی روانی کا انداز مضمون نگار اور انشائیہ نگار کے ہاں مختلف ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر حاجرہ بانو اس بارے میں لکھتی ہیں:

”انشائیہ نگار ہو یا مضمون نگار۔ دونوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اچھے اور بہترین نثر نگار ہوں، ساتھ ساتھ ان کا مطالعہ اور مشاہدہ بھی کافی وسیع ہو اور معمولی بات کو بھی وہ اپنے زورِ قلم سے غیر معمولی بنانے پر عبوریت رکھتے ہوں۔“ (۶)

معمولی بات کو غیر معمولی بنا کر پیش کرنے کی صلاحیت ہی وہ حربہ ہے جس پر کسی مضمون نگار یا انشائیہ نگار کی کامیابی کا دار و مدار ہوتا ہے۔ یہ حربہ جتنا آسان نظر آتا ہے اتنا ہی نہیں۔ اس پر عبور حاصل کرنے کے لیے مضمون نگار اور انشائیہ نگار کو اپنی صلاحیتیں استعمال کرنا پڑتی ہیں۔ مضمون اور انشائیہ کے اس اختلاف کی بنا پر ہی مضمون کی ایک خاص صورت سامنے آتی ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ ایک خاص ہیئت میں ڈھل کر سامنے آتا ہے اور اس میں موضوع سے متعلقہ ممکنہ معلومات کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے جبکہ انشائیہ میں انشائیہ نگار کو ہر سطر پر موضوع سے جڑے رہنے کی کوئی قید نہیں ہوتی بلکہ انشائیہ نگار اپنے موضوع سے جڑی دیگر بہت سی باتوں کو بھی درمیان میں لاتا چلا جاتا ہے۔

عام طور پر انشائیہ کو جس قسم کے مضامین کے قریب سمجھتے ہوئے انشائیہ اور مضمون کو آپس میں گڈ مڈ کیا جاتا رہا ہے ان میں وہ مضامین شامل ہیں جو ظریفانہ یا مزاحیہ مضامین کے زمرے میں آتے ہیں۔ انشائیہ میں بھی چوں کہ ظرافت کسی حد تک شامل ہوتی ہے لیکن یہ ظرافت، لطافت میں ڈھل کر ایک نیا مزاج بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہے اور یہ نیا مزاج ہی انشائیہ کا اصل مزاج ہوتا ہے۔ لیکن بہت سے ناقدین نے آغاز میں اس مزاج کا سمجھے بغیر ہر ظریفانہ مضمون کو بھی انشائیہ کا درجہ دے ڈالا جب کہ انشائیہ، ظریفانہ مضمون سے الگ قسم کی صنف نثر ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر اس بارے میں لکھتے ہیں:

”انشائیہ کو بالعموم مضمون سے خلط ملط کرتے ہوئے، مزاحیہ، طنزیہ یا پھر تاثراتی مضمون کی شے سمجھ لیا جاتا ہے جو کہ قطعی غلط ہے۔ مضمون ایک عمومی اصطلاح ہے نہ ہی اپنی انفرادی حیثیت سے مضمون کوئی جداگانہ صنف ہے۔ مضمون کی کئی اقسام ہیں۔ مگر مضمون بذاتِ خود قسم نہیں ہے۔ اس لیے مزاحیہ یا طنزیہ مضمون کی منصوبہ بندی اور ادبی مقاصد قطعی طور پر انشائیہ کے مقابلے میں جداگانہ نوعیت رکھتے ہیں۔“ (۷)

ڈاکٹر سلیم اختر کا یہ بیان انشائیہ اور مضمون کی حدود کو کافی حد تک واضح کرتا ہے اور ان امتیازات کو ظاہر کرتا ہے جن سے انشائیہ کو مضمون سے الگ کیا جاسکتا ہے۔ انشائیہ نگار اپنے انشائیے میں لطافت کا جو انداز اختیار کرتا ہے وہ خاص انشائیہ کا انداز ہوتا ہے۔ اسی انداز نگارش کی بنا پر انشائیہ کو مضمون سے الگ کیا جاتا ہے، محض تاثرات یا ظرافت کی بنا پر انشائیہ اور مضمون کو ایک چیز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مضمون اور انشائیہ میں اختلافات کا دوسرا زاویہ اس سنجیدگی سے ہو کر گزرتا ہے جو مضمون کا خاصا ہوتا ہے لیکن انشائیہ میں نہیں پائی جاتی۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ سنجیدگی کا نہ پائے جانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں انشائیہ غیر سنجیدہ ہوتا ہے۔ نہیں انشائیہ میں سنجیدگی کا عنصر ایک خاص لطافت کے ساتھ مل کر شامل ہوتا ہے جب کہ مضمون نگار کی سنجیدگی ایک عالمانہ سنجیدگی ہوتی ہے جسے بہت سے ناقدین نے فکر خیز سنجیدگی بھی قرار دیا ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر محمد حسنین لکھتے ہیں

”مقالہ کی امتیازی خصوصیت سنجیدگی ہے۔ عالمانہ اور فکر خیز سنجیدگی۔
مقالہ نگار کسی موضوع پر سنجیدگی سے روشنی ڈالتا ہے۔ یہ روشنی بَراق
ہوتی ہے۔ ایسی بَراق کہ نفس تحریر کا ہر گوشہ منور ہو جاتا ہے۔“ (۸)

مضمون میں مضمون نگار اپنا سارا زور اس بات میں صرف کرتا ہے کہ وہ بات کو
عالمانہ انداز میں بیان کرتا چلا جائے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مضمون نگار کا بڑا مقصد اپنے
موضوع کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات قارئین تک فراہم کرنا ہوتا ہے۔ جب کہ
انشائیہ میں معلومات سے زیادہ تاثرات کی اہمیت ہوتی ہے۔ انشائیہ نگار کا زیادہ زور اس کے
انداز بیان پر ہوتا ہے جب کہ مضمون نگار کا زیادہ زور پیش کردہ باتوں کو سچ ثابت کرنے پر
ہوتا ہے۔ سچائی اور حقائق انشائیہ کے لیے بھی ضروری ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ انشائیہ نگار
حقائق کو لطیف انداز میں بیان کر دیتا ہے جب کہ مضمون نگار اپنے بیان کے حق میں دلائل کا
بھی سہارا لیتا ہے۔ مضمون نگار کے ہاں موضوعات کی نوعیت انشائیہ سے مختلف ہوتی ہے۔ اس
بارے میں ڈاکٹر حاجرہ بانو لکھتی ہیں:

”مضمون جدید نثر کی ایک مقبول صنف ہے۔ خیالات کے اظہار اور ان
کی ترسیل کے لیے یہ ایک مفید صنف ادب ہے جس میں زندگی سے
جڑے تمام موضوعات پر اظہار خیال کیا جاسکتا ہے۔ خواہ وہ سائنسی
معلومات ہوں کہ مذہبی یا پھر ادبی ہوں کہ معلوماتی ہر قسم کی معلومات
اس صنف ادب کا حصہ بن سکتی ہیں۔“ (۹)

مضمون میں ہر قسم کے موضوع پر ہر قسم کی معلومات بہم پہنچانے کی سعی کی جاتی
ہے تو انشائیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف اپنے موضوع کی توضیح و تعبیر کرے بلکہ ایک
خاص رو میں انشائیہ کے تخلیق کار کا تخلیقی عمل جاری رہے۔ انشائیہ کی سی بے ساختگی مضمون
میں موجود نہیں ہوتی۔ مضمون میں معلومات کی ترسیل اہم عنصر ہوتا ہے جو بے ساختگی کا متحمل
نہیں ہو سکتا۔ انشائیہ کے موضوعات عام زندگی کے موضوعات ہوتے ہیں کیونکہ انشائیہ ایک
داخلی اور شخصی رویے کے اظہار کا نام ہے ایک شخص معاشرے میں رہتے ہوئے جو اثرات
قبول کرتا ہے انہیں انشائیہ کے قالب میں ڈھالتا ہے۔ اس بارے میں عبادت بریلوی کی یہ
رائے خاص اہمیت رکھتی ہے کہ:

”انشائیہ کا موضوع عام طور پر علمی اور تحقیقی نہیں ہوتا۔ معلومات کا فراہم کرنا اس کا مقاصد نہیں اس کی نوعیت ذاتی اور انفرادی ہوتی ہے، ایک داخلی آہنگ بھی اس میں پایا جاتا ہے، جس کی حدیں غنایت سے جاملتی ہیں۔ اس کا تعلق عام انسانی زندگی سے ہوتا ہے۔ اس زندگی کے عام معاملات سے میں پیش کیے جاتے ہیں۔ ان معاملات کے نشیب و فراز کی تصویر کشی کی جاتی ہے۔“ (۱۰)

انشائیہ اور مضمون میں ایک اہم بات جو ان دونوں کے اختلاف کو ظاہر کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مضمون نگار مضمون میں ابتدا سے لے اختتام تک موضوع سے متعلق خیالات، مشاہدات اور تجربات کو ایک خاص تسلسل سے بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ وہ اپنے ان خیالات اور مشاہدات کو ایک خاص مقصد کے تحت احاطہ تحریر میں لا رہا ہوتا ہے۔ وہ جس فضا میں یہ خیالات اور احساسات بیان کر رہا ہوتا ہے وہ ایک رسمی فضا ہوتی ہے۔ انشائیہ نگار کی تحریر میں اس کی ذات کا انکشاف ہوتا نظر آتا ہے جب کہ مضمون نگار کی تحریر کسی بھی موضوع پر معلومات اور ان کے نتائج و تحقیق قاری کے سامنے لاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ناقدین نے انشائیہ کو خالص تخلیقی عمل قرار دیا ہے۔ اور اراق لاہور میں اس بارے میں کافی بحثیں ہو چکی ہیں جن میں انشائیہ اور مضمون کے اختلافات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

”مضمون نگاری اور انشائیہ نگاری کا فرق جمیل آذر نے کچھ یوں واضح کیا ہے کہ انشائیہ نگاری ایک تخلیقی عمل ہے اور انشائیہ تخلیق کار کے دل کا نغمہ یا خیال سفر بیکراں ہوتا ہے جبکہ مضامین میں گہری منصوبہ بندی ہوتی ہے۔“ (۱۱)

انشائیہ نگار کی ذات ہی انشائیہ کے لیے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ ایک طرف وہ انشائیہ کے لیے اپنی ذات کا انکشاف کر رہا ہوتا ہے تو دوسری طرف وہ انشائیہ اس کی ذات کے لیے تسکین کا باعث بھی بن رہا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مضمون نگار کے لیے ذات سے زیادہ خارجی عوامل تحریر کا باعث بنتے ہیں۔ وہ ان خارجی عوامل جو بہت سے واقعات و مشاہدات پر مبنی ہوتے ہیں ان کو تحریر میں لا کر بیان کرتا ہے۔ مضمون نگاروں میں سے ظریفانہ مضمون کو ہی عام طور پر انشائیہ کے قریب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو اس قسم کے

مضامین اور انشائیے میں بہت زیادہ فرق سامنے آتا ہے۔ اس فرق کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر ہاجرہ بانو لکھتی ہیں:

”انشائیہ ایک ہلکی پھلکی صنف ادب ہے تاہم اس میں زندگی کے متعلق بڑی گہری باتیں بتائی جاتی ہیں اور زندگی کی ناہمواریوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے انشائیہ نگار ایک خاص اسلوب اپناتا ہے جس میں کسی قدر طنز کی آمیزش کے ساتھ مزاح بھی ہوتا ہے۔ طنز کا پہلو بالکل کم ہوتا ہے اس لیے کہ انشائیہ کا ایک بنیادی مقصد مسرت بہم پہنچانا بھی ہے اور مزاح کی زیادتی سے انشائیے میں سطحیت در آتی ہے، انشائیہ نگار کسی موضوع پر ہلکے پھلکے انداز میں فکر و فلسفے کے دقیق نکات بیان کر جاتا ہے اور اشاروں اشاروں میں معنویت کی تہہ دریاں کھولتا ہے۔“ (۱۲)

مضمون اور انشائیہ کے اختلافات پر مختلف ناقدین کی آرا کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ الگ اصناف ہیں۔ فکری اور موضوعاتی عناصر کی بھی تخلیق کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ تخلیق کار کی فکر اس وسیع کائنات میں سفر کرتی ہوئی بہت سی چیزوں تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔ یہ فکری عناصر تمام اصناف میں یکساں طور پر نہیں برتے جاسکتے بلکہ ہر صنف کے اپنے فکری تقاضے ہوتے ہیں جن پر ان فکری عناصر کا پورا اثر نا لازم ہوتا ہے۔ ان تقاضوں کو نظر انداز کر دینے سے اس صنف کا معیار گرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔

مضمون اور انشائیے کے حوالے سے جب ہم فکری سطح پر دیکھتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انشائیہ اور مضمون کے فکری عناصر میں ایک دوسرے سے کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ انشائیہ کے مقابلے میں مضمون نگار کی فکر کائنات کے بہت سے موضوعات کا احاطہ کرتی نظر آتی ہے۔ مضمون نگار کی فکری وسعت کے حوالے سے مضمون کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر ہاجرہ بانو لکھتی ہیں:

”خیالات کے اظہار اور ان کی ترسیل کے لیے یہ ایک مفید صنف ادب ہے جس میں زندگی سے جڑے تمام موضوعات پر اظہارِ خیال کیا جاسکتا ہے۔ خواہ وہ سائنسی معلومات ہوں کہ مذہبی یا پھر ادبی ہوں کہ معلوماتی اس صنف ادب کا حصہ بن سکتی ہیں۔“ (۱۳)

مضمون اور انشائیہ نگار کے فکری عناصر میں مشاہدہ کائنات کے بعد جو دوسری اہم چیز ہے وہ ان کا معلوم سے نامعلوم تک کا سفر ہے۔ مضمون اور انشائیہ کا تخلیق کار اس نامعلوم تک رسائی حاصل کرتا ہے جو عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ وہاں تک رسائی حاصل ہو جانے کے بعد مضمون نگار اسے تحقیقی انداز میں سامنے لاتا ہے اور دلائل کے ذریعے اس کے وجود کا ثبوت کرنے کی کوشش کرتا ہے جب کہ انشائیہ نگار کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس میں اپنی ذات کو شامل کر دیتا ہے اور قاری اس نامعلوم کو پانے کے ساتھ ساتھ انشائیہ نگار کی ذات کے انکشاف سے بھی بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ انشائیہ کو جو چیز مضمون سے منفرد اور ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ انشائیہ نگار کو اپنے موضوع پر مضمون نگار کی نسبت زیادہ آزادی سے اظہارِ خیال کا موقع ملتا ہے۔ انشائیہ نگار کی فکر وسعت کے ساتھ ساتھ آزادی سے بھی سرفراز ہوتی ہے۔ اس بارے میں انور سدید نے بڑی اہم بات کی ہے کہ:

”انشائیہ میں خیال کی رو بھی آزادی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ انشائیہ نگار اپنے آپ کو موضوع اور خیال کا قیدی بنا لینے کی بجائے اس سے ایک آزادہ فکر فنکار کی طرح کھیلنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ فطری انداز میں اٹھکیلیاں کر سکے اور وہ کیفیت پیدا کر دے جسے آپ شگفتہ ذات کی کیفیت کہتے ہیں۔“ (۱۴)

انشائیہ اور مضمون کے فکری عناصر میں بڑا عنصر وہ سماج ہوتا ہے جس میں انشائیہ نگار اور مضمون نگار، انشائیہ یا مضمون تخلیق کر رہے ہوتے ہیں۔ سماجی عناصر ہی کسی بھی تخلیق کار کی فکر کو روشنی بخشتے ہیں۔ سماج کے مختلف زاویے اور مختلف عناصر مل کر ایک تخلیق کار کے لیے تخلیقی فضا کی تشکیل کرتے ہیں۔ جب کہ مضمون نگار کی فکر کے سامنے قدم قدم پر اس مقصدیت کی رکاوٹیں کھڑی ہوتی ہیں جس کا تقاضا اس کا سماج کر رہا ہوتا ہے۔ یوں سماجی عناصر کسی بھی صنف کے فکری عناصر میں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ مضمون نگار کا مقصد زیادہ سے

زیادہ معلومات فراہم کرنا ہوتا ہے۔ مضمون نگار مضمون میں ایک منطقی ربط کو قائم رکھتے ہوئے منطقی انداز میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس منطقی انداز کو قائم رکھنے کے لیے بھی کسی واقع یا منظر کو تمام جزئیات کے ساتھ بیان کرنا پڑتا ہے۔ وہ ان جزئیات کو دلائل کے طور پر بھی سامنے لانے کی سعی کرتا ہے۔ انشائیہ نگار ایک عام آدمی کے سے انداز میں چیزوں اور واقعات کو دیکھتا اور نامعلوم کو ایک لطیف انداز میں سامنے لاتا چلا جاتا ہے۔ وہ مضمون نگار کی طرح اس بات کا پابند نہیں ہوتا کہ اپنی بات کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے تمام جزئیات کو بیان کرنے کا سہارا لے۔

انشائیہ اور مضمون ایسی اصناف نثر ہیں جن کو مقصد قاری کو نامعلوم تک رسائی دلانا ہوتا ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو ان دونوں اصناف میں واقعات نگاری کی اہمیت بڑھ جاتی ہے کیونکہ کسی بھی واقعہ کے بارے میں معلومات بہم پہنچانے کا بہترین ذریعہ واقعات نگاری ہے۔ انشائیہ نگار نے انشائیے میں معلومات ایک لطیف تاثر کے ساتھ لطیف انداز میں پہنچانی ہوتی ہیں۔ وہ اس لطافت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتا لیکن واقعات نگاری میں تخلیق کار بعض اوقات لطافت کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا بھی پڑ جاتا ہے۔ انشائیے میں واقعات کے بیان سے زیادہ اس واقعے کے رد عمل سے سروکار رکھا جاتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر ہاجرہ بانو لکھتی ہیں:

”انشائیہ میں معلومات سے زیادہ تاثرات کی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ تاثرات انشائیہ نگار کی ذہنی ترنگ کے تابع ہوتے ہیں۔ اس لیے انشائیہ نگار واقعات سے زیادہ واقعات کے رد عمل پر توجہ دیتا ہے اور اشاروں اشاروں میں اپنا مدعا بیان کر دیتا ہے۔ جبکہ موضوع مضمون سے متعلق باتیں سنجیدگی سے زیر بحث آتی ہیں اور ان کی وضاحت دلائل کے ساتھ ہوتی ہے اور انداز بالکل سیدھا سادا ہوتا ہے۔“ (۱۵)

مضمون نگار کا معاملہ انشائیہ سے مختلف ہوتا ہے۔ اس نے قاری کو سوچنے پر مجبور کرنے کی بجائے عالمانہ انداز میں اپنی بات کر کے قاری کو اپنی بات اور معلومات کی صداقت پر قائل کرنا ہوتا ہے اسی وجہ سے وہ واقعات نگاری کا سہارا بھی لیتا ہے۔ ڈاکٹر نصیر احمد خاں لکھتے ہیں:

”مضمون یا مقالے میں بات کو عالمانہ انداز سے کہنے اور معلومات فراہم کرنے پر خاص زور ہوتا ہے۔ اس میں زیادہ تر علم و حکمت کی باتیں ہوتی ہیں۔ انشائیہ میں خاص زور انداز بیان پر ہوتا ہے۔ اس میں واقعات سے زیادہ واقعات کے رد عمل سے سروکار ہوتا ہے۔“ (۱۶)

اسلوب کے حوالے سے انشائیے کو دیکھا جائے تو اس اسلوب مضمون سے بہت مختلف ملتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ اس کا وہ مواد اور وہ کیفیت ہے جس میں سے گزر کر ایک انشائیہ نگار انشائیہ تخلیق کر رہا ہوتا ہے۔ انشائیہ نگار کے لیے انشائیہ کے اسلوب میں لطافت کو مد نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے جب کہ مضمون نگار کے لیے یہ شرط لازم نہیں ہے۔ مضمون نگار بھی اسلوب کی لطافت کا خاص خیال رکھتا ہے لیکن ایک انشائیہ نگار اس لطافت کے عنصر کو اسلوب میں اس انداز میں برتتا ہے کہ وہ مزاح نہیں بننے پاتی بلکہ ایک تبسم زیر لبی کی کیفیت قاری میں پیدا کرتی ہے۔

مضمون اور انشائیہ کے مماثلات اور اختلافات کے حوالے سے کی جانے والی اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بہت سے عناصر کے اشتراک کے باوجود مضمون اور انشائیہ دونوں الگ الگ اصناف ہیں اور ان کی شعریات ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ مضمون نگار کا فکری رجحان، مواد کی پیشکش اور اسلوب انشائیہ نگار سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ مقصدیت کے تناظر میں دیکھا جائے تو مضمون نگار کے ہاں مقصدیت کا جو عام چلن نظر آتا ہے انشائیہ نگار کے ہاں وہ نہیں ہوتا۔ یوں انشائیہ اور مضمون میں بہت سے فکری اور فنی عناصر ایسے پائے جاتے ہیں جو ان اصناف کو ایک دوسرے سے ممیز کرتے ہیں۔

حوالہ جات

- ۱۔ فہیم الدین نوری، فن مضمون نگاری (حصہ اول)، دہلی، الامان بک ڈپو، س۔ن، ص 4
- ۲۔ سید صفی مرتضیٰ، اردو انشائیہ، لکھنؤ، نسیم بک ڈپو، 1961ء، ص 9
- ۳۔ نظیر صدیقی، شہرت کی خاطر، بحوالہ، انور سدید، انشائیہ اردو ادب میں، ص 36
- ۴۔ غلام جیلانی اصغر، انشائیہ کیا ہے، مشمولہ، اوراق لاہور، افسانہ و انشائیہ نمبر، ص 230
- ۵۔ خواجہ احمد فاروقی، بحوالہ، سلیم اختر، انشائیہ کی بنیاد، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، 1986ء، ص ۵۷
- ۶۔ ہاجرہ بانو، ڈاکٹر، اردو انشائیہ اور بیسویں صدی کے چند اہم انشائیہ نگار، دہلی، عرشہ پبلی کیشنز، 2013ء، ص 87
- ۷۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، انشائیہ کی بنیاد، لاہور، سنگ میل، 1986ء، ص 373
- ۸۔ سید محمد حسنین، ڈاکٹر، صنف انشائیہ اور انشائیہ، پٹنہ، دی آزاد پریس، 1963ء، ص 15
- ۹۔ ہاجرہ بانو، ڈاکٹر، اردو انشائیہ اور بیسویں صدی کے چند اہم انشائیہ نگار، ص 86
- ۱۰۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، انشائیہ، مشمولہ، اوراق لاہور، افسانہ و انشائیہ نمبر، مارچ اپریل، 1972ء، ص
- ۱۱۔ جمیل آذر، بحوالہ، گفتگو، اوراق لاہور، انشائیہ نمبر، ص 18
- ۱۲۔ ہاجرہ بانو، ڈاکٹر، اردو انشائیہ اور بیسویں صدی کے چند اہم انشائیہ نگار، ص 87
- ۱۳۔ ایضاً، ص 86
- ۱۴۔ انور سدید، انشائیہ اردو ادب میں، لاہور، مکتبہ فکر و خیال، جنوری 1985ء، ص 86
- ۱۵۔ ہاجرہ بانو، ڈاکٹر، اردو انشائیہ اور بیسویں صدی کے چند اہم انشائیہ نگار، ص 85
- ۱۶۔ نصیر احمد خان، پروفیسر، آزادی کے بعد دہلی میں اردو انشائیہ، دہلی، اردو اکادمی، 2003ء، ص 13